ترقی پسند دور کے اردو ناول

اردو ادب میں ترقی پسند خیالات کی آمد پریم چند سے قبل ہی ہوچکی تھی لیکن اس کو تقویت اور مضبوطی پریم چند کی تحریروں سے ہی ملی۔ خاص طور سے ان کا ناول گئودان اس سلسلے میں بہت اہمیت کا حامل ہے۔ یہ گائوں کی زندگی اور مسائل کو بڑی باریکی اور فنکاری سے پیش کرتا ہے۔ اس دور کے کئی قلمکاروں نے ناول اورر افسانے میں پریم چند کی پیروی کی۔ انہیں دنوں ہندوستانی کاروبار اور تجارت کے ذریعہ بھی معاشی زندگی کو خوشگوار بنانے کی کوشش میں سرگرداں تھے۔ اس میں کئی طبقہ کے لوگ تھے خاص طور سے مزدور اور درمیانی طبقہ کی حالت دگرگوں تھی۔ ان کے سامنے مسائل کے انبار لگے ہوئے تھے۔ وہ لوگ مالی بحران کے باعث غربت کے شکار ہو رہے تھے۔ اسی ماحول میں ہندوستان کو آزادی ملی۔ آزادی کے آفتاب کی خوشگوار شعاعیں سرمایہ داروں اسمگلروں، بدعنوان افسروں، ڈھونگی سیاسی رہنماؤں کے شبستانوں کو معمور کر رہی تھیں۔ غریبوں کا استحصال ان کا نصب العین تھا۔ان کی خواہش تھی کہ یہ نچلا ان کی دولت کو بڑھانے میں اپنا تعاون دیتا رہے۔ اس بات پر ترقی پسند ادیبوں نے توجہ دی اور سرمایہ دارانہ کوششوں کے خلاف اپنی آواز بلند کی۔ جن ترقی پسند ادیبوں نے اس مہم کو آگے بڑھایا اور محنت کش طبقے کی دردناک زندگی کو اپنے تخلیق کا موضوع بنایاان میں ہنس راج رہبر، مہندر ناتھ، کرشن چند، رضیہ سجاد ظہیر، سہیل عظیم آبادی وغیرہ کے اسم گرامی اہمیت کے حامل ہیں۔ پریڈ گراونڈ اور بندگی ہنس راج رہبر کے، اور دردکا رشتہ ، سورج ریت اور گناہ وغیرہ مہندر ناتھ کے ناولوں سے اس دور کے سماجی ماحول کی بہت اچھی عکاسی ہوئی ہے۔ ان کے ناول میں گاؤں اور قریہ کے مزدور افلاس و بھوک اور بے روزگاری کے ستائے ہوئے افراد نظر آتے ہیں۔ ان کی زندگی گندی اور تنگ جگہوں میں بسر ہوتی ہے مگر وہ مظلوم امید کی خوشی کے ساتھ خوشگوار طریقہ سے زندگی بسر کرنے کا خواب دیکھتاہے۔ وہ اس کو حاصل کرنے کے لیے ہر ظلم کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتا ہے۔ یہاں میں مہندر ناتھ کے ناول سورج، ریت اور گناہ سے عبارت پیش ہے۔ ملاحظہ ہو، ہیروئن انوری میری سے کہتی ہے:

> دھوپ کتنی تیزی سے ہماری طرف آرہی ہے میری جب تک انسان میں زندگی ہے اسے لڑنا چاہئے۔ دیکھو تو یہ سمندر کا شفاف سینہ پاکیزہ ہوا۔ ناریل کے درخت یہ لہریں یہ سورج، یہ ریت ہمارا تمہارا گناہ یہ کھلی فضا اور یہ راحت بخش ہوا جو پھیپھڑوں میں جاتی ہے ہم کیوں نہ زندہ رہیں اور ایک بہتر زندگی کے لئے لڑیں۔

ان ناولوں میں محنت کش مزدور کے حالات زندگی کو انہی کی نظر سے دیکھا اور قلم بند کیا گیا ہے۔ یہاں ناول میں ناول نگار نے خود کو ناول کا کردار بنا کر پیش کیا ہے جس سے ان کی شخصیت میں چار چاند لگ جاتا ہے۔ ناول نگار اسی محنت کش دہقان کے دل و دماغ سے سوچتا اور انہیں کے عام بول چال کی زبان میں اظہار خیال کر کے دل کی بھڑاس نکالتا ہے۔ چنانچہ اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ پریم چند کی ناولوں کے اثرات ان بزرگوں کے ناولوں میں واضح نظر آتے ہیں۔

کرشن چندنے کم و بیش پچاس ناول لکھے ہیں۔ ان کے سماجی ناولوں کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ان میں مواد اور تکنیک کی گونا گونی ہے۔ شکست کا موضوع محنت کش مزدور کا خون چوسنا اور جاگیرداروں کی رہنمائی میں فرقہ وارانہ فسادات کو فروغ دینا ہے۔ 1952ء میں کرشن چندر

نے جب کھیت جاگے تخلیق کر کے محنت کش مزدور کی زندگی اور حالات کو دنیا کے سامنے پیش کر دیا۔ اس میں باغی راگھو نے اپنی المناک داستان زندگی بیان کی ہے جس کو دوسرے دن سولی پر چڑھایا جائے گا۔ مٹی کے صنم اور میری یادوں کے چنار کی تکنیک آپ بیتی ہے اس میں ناول نگار نے اپنی یادوں کے ذریعہ انگریزی دور حکومت کے ظلم و تشدد کو بیان کیا ہے۔ دل کی وادیاں سو گئیں بھی تکنیک کے اعتبار سے نہایت ہی اچھا اور دلچسپ ہے۔ ایک مسافر ٹرین کے حادثہ کی وجہ سے چند دن بیابان جنگل میں گذارتا ہے جس کی رسائی سماج کی متعدد حلقوں سے ہے۔ وہاں وہ اپنی شناخت دے کر اپنا مدعا کا اظہار کرتا ہے۔ دادر پل کے بچے جو بمبئی کی اوسان خطا کر دینے والی زندگی کے پس منظر میں لکھا گیا ہے۔ اس میں بھی جاگیر دارانہ نظام کی شیطنت وحیوانیت کا پردہ فاش کیا گیا ہے۔ اس طرح ایک عورت ہزار دیوانے اور برف کے پھول جیسے ناول ہیں۔ یہ صداقت پر مبنی ہیں کرشن چندر کی حقیقت نگاری میں حقیقت کا پر تو کچھ گہرا نہیں، مگر وہ اپنے آپ کو اس کے لئے کوشاں رکھتے ہیں اور اپنے ناولوں میں ہندوستانی سماج کے انسانوں کی زندگی اس کی مشکلوں پریشانیوں اور رویوں کا بڑی چابک دستی سے حصار کرتے ہیں جو کسی دوسرے ناول نویس کو میسر نہیں۔

راجندر سنگھ بیدی کو اردو افسانہ نگاری کے میدان میں جو مقام ان کو حاصل ہے کسی اور کو میسر نہیں۔ ان کا ناولٹ ایک چادر میلی سی بھی شہرہ آفاق ہے۔ بیدی نے اپنے ناولٹ کے کرداروں میں جان ڈالنے کے لئے انہی مظلوم کسانوں کے درد و کرب میں اپنے آپ کو محو کر دیا ہے۔ بیدی کا یہ ناولٹ گئودان کی طرح پنجاب کے دیہی علاقے کی منظر کشی کرتا ہے۔ جہاں غریب مزدور محنت کر کے روزی روٹی حاصل کرتے ہیں۔ وہ تہذیبی ماحول کی منظر نگاری کے ساتھ ساتھ کرداروں کی تہداری کو بھی ڈرامائی انداز سے پیش کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ یہاں حیات اللہ انصاری کے ناول لہو کے پھول کا ذکر کرنا غلط نہیں ہو گا۔ یہ ناول بیسویں صدی میں ہندوستان کی تحریک آزادی پر مبنی ہے۔ حیات اللہ انصاری اجتماعیت سے خفگی کے بعد بھی ترقی پسند نظریہ ادب سے منھ نہ موڑ سکے۔ انہوں نے ناول میں انسانی زندگی اور تحریک آزادی کا جس پیمانے پر مطالعہ ومشاہدہ کم کیا وہ ایک خاص سیاسی اور سماجی نقط نگاہ کا ثبوت فراہم کرتی ہے۔ انہوں نے اپنے ناولوں میں ہندوستانی عوام اور ان کی آزادی کی کوششوں کو بڑے ہی مفکرانہ اور دانشورانہ انداز میں رقم کیا ہے۔ ویسے ان کا یہ ناول بہت ضخیم ہے جس میں مصنف نے بے ضرورت وسعت پیدا کر کے قصہ کو طول دے دیا ہے۔ یہ چیزیں ناول کو غیر متوازن بنا دیتی ہے۔ پھر بھی یہ ناول اشتراکی تحریکوں اور دیہات کے ماحول سے تعلق رکھنے والے اردو کے شہرت یافتہ اور مقبول ناولوں کی فہرست میں شمار کئے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ ان کے ناولٹ گھروندہ اور مدار ہیں، جس میں گھروندہ کافی طویل ہے۔ ناولٹ مدار کے ذریعہ حیات اللہ انصاری مادری زبان کو ترجیح دیتے ہیں۔ انہوں نے ثابت کیا ہے کہ مادری زبان کا رشتہ اہم ترین رشتوں اور جذبوں پر فضیلت رکھتا ہے۔

پاکستان کے ترقی پسند ادیبوں نے بہت زور شور سے ناول لکھے ہیں جو اچھوتے موضوعات کے علاوہ فن، تکنیک اور فکری پس منظر پر مبنی ہیں ۔ روز مرہ کے مسائل کو انہوں نے اپنے ناول کے لئے موضوع بنایا۔ عام انسان کی سماجی زندگی میں آئے دن جو واردات رونما ہوتے ہیں اور ان کے پیچھے جو سیاسی، معاشی، اقتصادی مسائل چھپے ہوتے ہیں ان کو فنکاری کے ساتھ پیش کیا گیا۔ ان میں خاص طور پر خدیجہ مستور کا ناول آنگن، عبد اللہ حسین کا اداس نسلیں اور شوکت صدیقی کا خدا کی بستی اور جانگلوس مشہور و معروف ہیں پہلے دونوں ناولوں کے ذریعہ آزادی سے قبل کی انسانی زندگی کو مصنف نے بڑی چابک دستی سے پیش کیا ہے۔ اور دونوں کا اختتام ملک کی تقسیم پر کیا ہے۔ دونوں ناولوں کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے

کہ آغاز سے اختتام تک ایک پائیدار نقطۂ نگاہ، تاریخی، سماجی گہرائی و گیرائی کا سلیقہ پنہاں نظر آتا ہے۔ خدیجہ مستور نے اپنے ناول آنگن کے ذریعہ ایک درمیانی درجہ کے مسلم خاندان کے حالات بڑی منصفانہ انداز میں پیش کیا ہے۔ وہ اس بات کی وکالت کرتی ہیں کہ گھر میں جو چھوٹے موٹے واقعات نمو پذیر ہوتے ہیں ان کی وجہ دراصل ملک کی سطح پر پیدا ہونے والے مسائل ہیں۔

شوکت صدیقی نے اپنے دونوں ناولوں میں پاکستانی ماحول کے دگر گوں پیچیدہ حالات کو پیش کرنے کی جستجو کی ہے۔ انہوں نے بڑی ہمت اور بہادری سے ناولوں کے الجھے ہوئے پلاٹ میں جاگیر دارانہ نظام کے اثرات اور مذہبی جذبات کے استحصال کو یکجا کیا ہے۔ ان کے مشہور ناول خدا کی بستی میں سلمان، سلطانہ، نیاز، علی احمد کے کردار اردو ناول کے مستحکم کے کرداروں میں انفرادی مقام رکھتے ہیں۔ جانگلوس میں پاکستان دیہاتی علاقوں میں حیوان صفت زندگی بسر کرتے ہیں اسی صورت حال کو موضوع بنایا ہے۔ لالی اور رحیم داد اس ناول کے مرکزی کردار ہیں جو جیل خانہ سے باہر نکل گئے ہیں۔ اس طرح شوکت صدیقی نے اسی ناول میں اس بات کی دلیل پیش کی ہے کہ اس سماج میں اصل مجرم جو گناہ گار ہیں وہ قید خانہ کے اندر نہیں بلکہ باہر عیش و عشرت کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ یہ بہت بڑے سیاستداں ہوتے ہیں اور حکومت میں بڑے عہدوں پر فائز ہوتے ہیں۔ سید شیر حسین نے اپنے ناول جھوک سیال میں ایک گاؤں کے آئے دن ہونے والی واردات کو قلم بند کیا ہے مگر جانگلوس اس کے برعکس ہے یہ ناول پورے پنجابی دیہاتی علاقے کی زندگی پر محیط ہے۔

ترقی پسندی کے علمبرداروں نے پرانے رسم ورواج، جو عام طور پر صداقت پسندی پر مبنی تھے اس سے الگ ناول نگاری کے اصولوں و ضابطے قائم کئے جیسا کہ خواجہ احمد عباس کا ناولٹ سیاہ سورج سفید سائے میں مصنف نے اشتراکی جمہوریت پر چلنے والے نو آبادی ملکوں کے خلاف جاگیر دارانہ نظام کے جارحانہ ظلم و ستم کا پردہ فاش ہے۔ خواجہ احمد عباس نے بھی حیات اللہ انصاری کی طرح ہندوستانی عوام اور ان کی آزادی کی جستجو کو قلم بند کیا ہے۔ اس کے علاوہ کرشن چندر نے پوری کائنات کی جاگیر دارانہ نظام کی جارحانہ ظلم و ستم سماجی نابرابری اعلیٰ ادنیٰ کا بھید بھاؤ لوٹ کھسوٹ خوشحال زندگی گذارنے کو اشارہ کنایہ کے ذریعہ بااثر بنا کر پیش کیا ہے۔ انہوں نے دبے کچلے استحصال زدہ کشمیریوں کے بارے میں بہت کھل کر قلم بند کیا ہے ۔ جیسے ایک گدھے کی سرگذشت اور الٹا درخت اسی نوعیت کی تخلیق ہے جس میں برائے نام عوامی یا جمہوری نظام کے کل شعبہ جمہوریت انصاف قانون اور سماجی رشتوں کے ریاکارانہ و مکارانہ رویہ پر سخت تیر چلایا گیا ہے۔

مجموعی طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ ترقی پسند فکر کے زیر اثر اردو میں افسانوں کی طرح خاصی تعداد میں ناول بھی لکھے گئے۔ ان ناولوں کے موضوعات عام آدمی کی زندگی اور زندگی سے جڑے مسائل تھے۔ ان ناولوں نے اردو ادب کے دامن کو بہت وسیع کیا۔